# اقبال

اور

# آرزوئی نایافت

ازجناب مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم اسٹیٹ لائبریری رامپور

مولانا جلال الدین رومی کا ایک قطعہ ہے:۔

دی، شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر — کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود، جستہ ایم ما — گفت "آں کہ یافت می نشود آنم آرزوست"

علامہ اقبال مرحوم بھی رومی کے اس "نایاب انسان" کے آرزومند ہیں۔ لیکن کوشش و جستجو کے باوجود ان دونوں بزرگوں کو، یا کم از کم اقبال کو، اپنی آرزو کی تکمیل کا موقع نہ ملا اس ناکامی کے اسباب و وجوہ کیا تھے، اس امر کی تہ تک پہنچنے کے لئے ان خصوصیتوں اور صفتوں پر نظر کرنا چاہئے جو اقبال کے خیال میں اس "یافت می نشود" میں پائی جاتی ہیں۔ ورنہ اس عالم آب و گل میں انسانوں کا قحط نہ پہلے تھا نہ اب ہے۔

اقبال کا انسان حسن و قبح اشیا میں عقل و خرد سے کام لینے پر آمادہ ہو گیا تو فطرتِ الٰہی نے اُسے کائنات کی خلافت سپرد کر کے جنت کے "میخانۂ بے خروش" سے دنیا کے "گہوارۂ جذب و مستی" میں حاکمانہ داخلے کی اجازت عطا فرمائی۔ فرشتوں نے اُسے ان الفاظ کے ساتھ خدا حافظ کہا:۔

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بیتابی — خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی
سنا ہے، خاک سے تیری نمود ہے، لیکن — تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

© rasailojaraid.com



گراں بہا ہے ترا گریہ سحر گاہی اسی سے ہے ترے نخل کی شادابی
تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

انسان نے اس زمینِ کدو کاوش پر قدم رکھا، تو روحِ ارضی نے استقبال کرتے ہوئے عرض کیا۔

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایامِ جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو، معرکۂ بیم ورجا دیکھ

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
دیکھیں گے تجھے دور سے گردوں کے ستارے
ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے
پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے
تعمیرِ خودی کر، اثرِ آہِ رسا دیکھ

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں
اے پیکرِ گل، کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے
تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے

ہے راکبِ تقدیرِ جہاں تیری رضا، دیکھ

روحِ ارضی نے اپنے استقبالیے میں انسان کی ان امتیازی صفات کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ اسرارِ کائنات کا کھوج نکالنے میں بیم و رجا کا معرکہ سر کرے گا۔ آئینۂ ایام میں اپنی ادائیں دیکھ کر خودی کی تعمیر کرے گا، اپنے خونِ جگر سے نئی دنیا اور انوکھی جنت بسائے گا اور تقدیرِ جہاں کو اپنے قبضے میں رکھے گا۔

بالفاظِ دیگر جس انسان کی اقبال کو تلاش ہے، اس میں حقائق کی تلاش کا جذبہ ہونا چاہیے، ایسا شدید جذبہ کہ کوئی خوف اور کسی طرح کا لالچ اس کا راستہ روک کر نہ کھڑا ہو سکے اس دنیا میں اپنا حقیقی مقام اور واقعی منصب متعین کر کے اس منصب اور فریضے کی تعمیل میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لئے بیتاب و مضطرب ہونا چاہیے، ایسا مضطرب کہ اس اضطراب کے فعلیت میں تبدیل ہو جانے پر خالق و مخلوق کی تقدیر اور رضا ایک ہو جائے۔ یا کم از کم ان کو دو کہنا ناممکن نظر آنے لگے۔

اس سے بھی زیادہ مختصر لفظوں میں مطلب ادا کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اقبال کے انسان میں مجنونانہ جرأت و ہمت اور عاشقانہ شیفتگی کے ساتھ اپنا اور اپنے فرضِ منصبی کا سچا علم ور اس علم پر قرارِ واقعی عمل ہونا لازمی ہے۔

انسان کی اس خصوصیت کو اقبال نے کبھی عشق، جنون اور قلندریت سے اور کبھی خودی



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یا ایمان سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس صفت کے حامل کو ہمیشہ قلندر، فقیر یا مومن کہکر پکارا ہے۔ ان کے مومن، عاشق، فقیر اور قلندر کی صفاتِ مشترکہ اتنے زیادہ اور ممیزہ اتنے کم ہیں کہ انھیں ایک نہ ماننا ایک طرح کی ناانصافی کے مترادف ہے۔ میں یہاں فرداً فرداً ہر ایک کی صفات پیش کرتا ہوں۔

عشق | پہلے عشق و عاشقی کے متعلق اقبال کے ارشادات سنئے۔

بیا، اے عشق، اے رمزِ دلِ ما  بیا، اے کشتِ ما، اے حاصلِ ما
کہن گشتند ایں خاکی نہاداں  دگر آدم بنا کن از گلِ ما

اس مقدس اور پاک جذبہ کو نہ ہر شخص جانتا ہے اور نہ ہر ہستی اس کے لائق ہے۔

ہر کسے از رمزِ عشق آگاہ نیست  ہر کسے شایانِ ایں درگاہ نیست
داند آں کو نیک بخت و محرم است  زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

یہی وجہ ہے کہ پست ہمت، کمینہ طبیعت اور بدباطن کو یہ نعمت عطا نہیں ہوتی۔

ندارد کار با دوں ہمتاں عشق  تذرو مردہ را شاہیں نگیرد
نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے  شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

انسان کی کامرانی، کامیابی، سربلندی اور اس کے تمام اعمال کی قوتِ محرکہ عشق ہے۔ عقل و خرد اور علم و حکمت اس کے بغیر مردہ، زہرِ ہلاہل اور سراسر گمراہی ہیں۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق  عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات
صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حسین بھی ہے عشق  معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق
تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا  عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے  تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

عشق اس ناپید اکنار کائنات پر محیط اور اس کے اقدار زمانی و مکانی کا حاکم ہے۔ اس کی گرفت و رسائی سے دنیا کا کوئی گوشہ باہر نہیں۔

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ  عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو　　عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا　　اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام　　اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

یہی نہیں، عشق و جنون یزداں شکار بھی ہیں:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدی　　یزداں بکمند آور، اے ہمتِ مردانہ!

حکمت و فلسفہ بحث و نظر کے ہزاروں دروازے کھول سکتے ہیں مگر عمل کا ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ یہ عشق ہی ہے جو جرأت و ہمت کے معجز نما کام انجام دے سکتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش　　لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

ایمان و یقین | عشق کی اس ثنا و صفت کے بعد جو اقبال کے کلام کے چند بکھرے موتی کہے جا سکتے ہیں۔ ایمان و یقین کی تعریف ملاحظہ کیجئے:۔

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی　　یقیں اللہ مستی، خود گزینی
سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار　　غلامی سے بتر ہے بے یقینی

ایمان و یقین تقدیرِ عالم کو بدل سکتے ہیں

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا　　نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یقین و ایمان سے جو بلند ہمت اور بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے، اس کی اثر آفرینی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز
نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں　　اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

فقر | فقر کی توصیف اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے۔

فقر کے ہیں معجزات، تاج و سریر و کلاہ　　فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



علم کا مقصود ہے، پاکیٔ علم و خرد — فقر کا مقصود ہے، عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم — علم ہے جویای راہ، فقر ہے دانای راہ
فقر مقامِ نظر، علم مقامِ خبر — فقر میں مستیٔ ثواب، علم میں مستیٔ گناہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی — ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

فقر انسانیت کا معمار ہے، قلب ماہیت کرنا اس کا کام ہے سطح چمکا دینا نہیں، یہ دولت و حکومت کی کارستانیاں ہیں۔

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے — یہ آدم گری ہے، وہ آئینہ سازی

**قلندر** | اقبال نے قلندر کی پہچان بھی بتائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

کہتا ہے زمانے سے یہ درویشِ جواں مرد — جاتا ہے جدھر بندۂ حق، تو بھی اُدھر جا
ہنگامے ہیں مرے تری طاقت سے زیادہ — بچتا ہوا بنگاہِ قلندر سے گزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا — چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تو، تو اتر جا
توڑا نہیں جادو مری تکبیر نے تیرا؟ — ہے تجھ میں مکر جانے کی جرات تو مکر جا

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

قلندر کی بارگاہ کا شان و شکوہ شاہوں سے بالاتر ہے۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے — جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

**صفاتِ مومن** | اقبال اس پاکباز بندے کی اخلاقی کیفیات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو، وہ شبنم — دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں
ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم — رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
پر سوز و نظر باز و نکو بین و کم آزار — آزاد و گرفتار و تہی کیسہ و خورسند
اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر — اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل　　اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو　　رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا صفات جس شخص کے اندر جمع ہوں گے وہ زمین کا وارثِ برحق تسلیم ہو کر رہے گا۔ اقبال نے اس کی وراثت پر استدلال بھی قائم کیا ہے۔

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی　　مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

مگر میرے خیال میں حجت و دلیل سے یہ مسئلہ بلند ہے۔ کائنات خود اس کی خودی کو دعوت دے گی کہ

چو موجِ مستِ خودی باش و سر بہ طوفاں کش　　ترا کہ گفت نشیں و پا بداماں کش
بہ قصدِ صیدِ پلنگ از چمن سرا برخیز　　بہ کوہ رخت کشا، خیمہ در بیاباں کش
بہ مہر و ماہ کمند گلو فشار انداز　　ستارہ راز فلک گیر و در گریباں کش

بہرحال مجھے یہاں کہنا یہ ہے کہ اقبال اور رومی نے ان صفات کے انسان کی آرزو کر کے خاکدانِ بے کیف میں اس کا سراغ نہ پایا تو یہ انسان کی پستی سے زیادہ ان کے مطمحِ نظر کی بلندی کا نتیجہ تھا۔ کیا ہر انسان یہ کہہ سکتا ہے۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی　　مقامِ بندگی دیگر نہ لوں شانِ خداوندی

اس کے لئے وقت درکار ہے اتنا طویل جس کی تحدید خود اس عالمِ نو کے پہلے مردِ مومن نے بھی مناسب نہ جانی۔ بہرحال ناامیدی مومن کی شان سے بعید ہے۔ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں　　ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں　　یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم　　مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

اگر ہم نے کوشش کر کے اقبال کے نصب العین کی کسی حد تک پیروی کر لی تو اس دنیا میں اپنی، اپنے ملک کی، اور اپنے ہمسایوں کی دوبارہ سربلندی حاصل کر لینے میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

ذ



© rasailojaraid.com